رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

ایڈیٹر
آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۳۰ پیسے

ہفتہ وار ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۲۲

اداریہ

اردو کے غیر مسلم ادیبوں کی کانفرنس

اردو کے افسانہ نگار رام لال اور اُن کے ساتھیوں کی کوشش سے لکھنؤ میں نومبر میں ایک آل انڈیا کانفرنس اُن مصنفین اور ادیبوں کی ہونے والی ہے جو غیر مسلم ہیں۔ اس کانفرنس کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئی ہیں۔ بمبئی اور دلی میں علاقائی کمیٹیاں اس غرض سے قائم کی گئی ہیں کہ کانفرنس کے لئے موثر پبلسٹی کی جائے۔ اس کانفرنس کا ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی اردو ادیبوں، صحافیوں، مصنفین اور ناشرین نے خیر مقدم کیا ہے۔ ہم ایسے اجتماع کی حمایت کرتے ہیں جس سے اردو کی ہمہ گیری، اس کا ہندوستانی ورثہ، اس کا سیکولر کردار، اس کی کل ہند حیثیت، اس کی ہندوستانی مذاہب اور ہندوستانی تہذیب کے تمام پہلوؤں کی آئینہ داری اور واضح ہو اور اس لئے ہم اس کانفرنس کا بھی پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یہ کانفرنس نمایندہ ہو اور ہندوستان میں اردو کی مقبولیت اور اثر کو منوانے کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔

اِدھر بعض لوگوں نے دبی زبان سے یہ خیال ظاہر کیا کہ آخر غیر مسلم ادیبوں کی اِس کانفرنس کی ضرورت کیا ہے، جب یہ واضح ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے، بلکہ اِس کی ترقی میں سبھی مذاہب کے لوگوں نے حصّہ لیا ہے۔ مگر یہ حضرات یہ بھول گئے کہ بعض تنگ نظر سیاسی پارٹیاں اِدھر برابر پروپگنڈا کر رہی ہیں کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور اردو کا مسئلہ مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ بعض مسلمانوں نے بھی جب یہ دیکھا کہ اردو کی بقا اور ترقی کے لئے زیادہ تر کوششیں مسلمانوں کے پلیٹ فارم سے ہوتی ہیں تو وہ بھی انھیں کی سی کہنے لگے۔ اس لئے اِس بات کی ضرورت اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ جو پوری سچائی ہے اُسے سامنے لایا جائے اور اردو کے سارے ہمدرد اور دوست اپنے اپنے دائرے میں اور پھر مل کر اِس سچائی کو حکومت اور عوام سے منوائیں اور اردو کی ترقی کے راستے میں جو دشواریاں ہیں انھیں دور کریں۔

ہماری زبان میں ہم کئی بار یہ واضح کر چکے ہیں کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے اور اُسے صرف مسلمانوں سے وابستہ کرنا، اردو کے ساتھ بے انصافی اور اس کے تاریخی اور قومی رول کے ساتھ ظلم ہوگا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً چھ کروڑ ہے۔ ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی تعداد

تین کروڑ سے کچھ کم ہے۔ گویا آدھے سے زیادہ ہندوستانی مسلمان اردو نہیں بولتے بلکہ اپنے اپنے علاقے کی زبان بولتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد بھی خاصی ہے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن اردو اُن کی ادبی زبان ہے اور اُن کا اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی مادری اور علاقائی زبان کے علاوہ اردو بھی اچھی جانتے ہیں۔ اس لئے اردو بولنے والوں کی تعداد کے مقابلے میں اردو جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور جو اردو جانتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے اور ہندوستان میں اس کی بقا اور ترقی کا خواہاں ہے اور اس کے لئے دامے، درمے، سخنے، قدمے کچھ نہ کچھ کرنے کو تیار ہے، وہ ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں اور ہم سب مل کر اردو کے لئے جدوجہد جاری رکھیں گے۔

اردو زبان و ادب کی تاریخ سے جسے معمولی سی بھی واقفیت ہے وہ یہ جانتا ہے کہ اردو کی ترقی میں کسی ایک مذہب کے ماننے والوں نے حصہ نہیں لیا، بلکہ اس کی ترقی سبھی مذاہب کے ماننے والوں کی لگن اور سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔ بلاشبہ اردو بولنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اور جمہوریت کے دور میں تعداد کی بھی اہمیت مسلّم ہے۔ مگر زبان و ادب کے کاروبار میں تعداد سب کچھ نہیں ہوتی معیار بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ غیر مسلم ادیبوں کا کارنامہ مسلمان ادیبوں کے کارنامے سے کسی طرح کم مایہ ہے۔ آج شاعری، افسانہ، ناول، انشائیہ، ڈراما، تحقیق، تنقید، کسی صنف ادب کو لیجئے، چوٹی کے ناموں میں بہت سے غیر مسلم حضرات کے نام ملیں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا مذہبی لٹریچر جتنا اردو زبان میں ہے اتنا فارسی اور عربی میں بھی نہ ملے گا۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں کا مذہبی لٹریچر بھی اردو زبان میں بہت ہے صرف آج کے سیاست دانوں کی اس پر نظر نہیں ہے۔ صرف آریہ سماجی تحریک کو لے لیجئے۔ بہت سے لوگ آریہ سماجی صرف اردو میں اس لٹریچر کو پڑھ کر ہوئے ہیں اور ایسے کئی حضرات سے ہم ذاتی طور سے واقف ہیں۔ جوالا لال شعلہ کی مثنوی ہندو درپن آج بھی اس علاقے کے ہندو عبادت کے موقع پر پڑھتے ہیں۔ عہد نامۂ جدید اور عیسائیوں کی دوسری مذہبی کتابوں کے اگر تمام اردو ایڈیشن جمع کئے جائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ آزادی کے بعد یہاں کے کچھ ادیب اور شاعر پاکستان چلے گئے مگر بہت بڑی تعداد میں بہت سے ادیب اور شاعر یہاں آ گئے اور آج اُن کی کوششوں سے اردو ادب کے گلشن میں نئے نئے پھول کھل رہے ہیں۔

غرض اردو تحریک کی ہمہ گیری، جامعیت اور اس کے قومی زندگی کے ہر شعبے پر اثرات کو برابر واضح کرتے رہنے کی ضرورت ہے اور در اصل اس کانفرنس کا یہی مقصد ہے۔ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اردو کی تحریک کو ہر قیمت پر فرقہ واریت اور تنگ نظری سے بچایا جائے اس کانفرنس کے ذریعہ سے یہ مقصد بھی پورا ہوگا۔ پھر اس کے ذریعہ سے اردو زبان و ادب کی ترقی میں ہندوستان کی ہر مذہبی جماعت کا کارنامہ اور کھل کر سامنے آئے گا۔ یہ بھی اچھی بات ہے کہ یہ کانفرنس لکھنؤ میں ہو رہی ہے۔ لکھنؤ اتر پردیش کا صدر مقام اور اردو کا ایک اہم مرکز ہے، مگر اتر پردیش کی حکومت باوجود بہت سے وعدوں اور یقین دہانیوں کے ابھی تک اتر پردیش کی اور ملک کی ایک اہم زبان کے ساتھ انصاف نہیں کر سکی ہے، یہ کانفرنس اس بات پر بھی توجہ کر سکے گی۔ ہم تو غالب کی زبان سے یہی کہہ سکتے ہیں۔

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
سر پائے خم پہ چاہئے ہنگام بے خودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہئے
یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہئے

ڈاکٹر احمر لاری

ایشوری پرشاد گہر

۱۸۵۷ء سے پہلے گورکھپور میں کم کم ہی سہی، مگر اردو شاعری کا چرچا ضرور تھا۔ چنانچہ تذکروں میں ان شعرا کے نام ملتے ہیں جنھوں نے یہاں اردو شاعری کے چراغ روشن کیے۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد گورکھپور میں اردو زبان و ادب کے ارتقا کے لیے زیادہ سازگار ماحول ملا۔ جب ریاض خیرآبادی نے ۱۸۸۱ء میں "ریاض الاخبار" کو خیرآباد سے گورکھپور سے منتقل کیا تو یہاں ان کی اور ان کے اخبار کی ویسی ہی پذیرائی ہوئی جیسی دلی کے دیوان کی دلی میں ہوئی تھی۔ ریاض نے یہاں آکر "ریاض الاخبار" کے علاوہ "فتنہ" "عطر فتنہ" اور "گلچیں" بھی نکالا۔ ان اخبارات اور رسائل نے گورکھپور میں ایک ادبی فضا پیدا کردی اور انیسویں صدی کے آخر تک یہاں سے متعدد اخبارات اور رسائل نکلنے لگے، اور یہاں خاصی تعداد میں شاعر اور ادیب پیدا ہوگئے۔ المختصر تھوڑے ہی عرصے میں گورکھپور اردو زبان و ادب کا ایک اہم مرکز بن گیا۔

گورکھپور میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہندوؤں اور بالخصوص کائستھوں نے بھی گیسوئے اردو کو سنوارنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ گورکھپور کی معاشرتی، ثقافتی اور ادبی زندگی پر یہاں کے کائستھوں نے لافانی نقوش چھوڑے ہیں۔ ان کے یہاں فارسی کا رواج عام رہا ہے اور اردو تو ان کے گھر کی زبان رہی ہے۔ یہاں کے کائستھ شعرا نے اردو زبان و ادب کی جو خدمت انجام دی ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان شعرا میں منشی لال عنبر (۱۸۷۰ء — ۱۹۲۰ء)، گورکھ پرشاد عبرت[1] (متوفی ۱۹۱۸ء)، ہری ہردت سنگھ خوشتر (۱۸۷۷ء — ۱۹۵۲ء)، بھگوتی پرشاد ریحان (۱۸۸۸ء / ۱۸۸۷ء — ۱۹۶۰ء)، بدر بہادر سنگھ بدر (۱۸۸۸ء / ۱۸۸۹ء — ۱۹۵۱ء)، ایشوری پرشاد دفتر (۱۸۹۰ء — ۱۹۴۵ء)، رنگ بہادر لال جگر (۱۸۹۲ء — ۱۸۹۱ء — ۱۹۴۸ء)، رام داس انیم (۱۸۹۲ء — ۱۹۴۸ء)، جگن ناتھ پرشاد برہم (۱۹۰۶ء — ۱۹۶۵ء)، شیام نرائن سنگھ شیدا (۱۹۱۰ء — ۱۹۴۹ء) اور گوری سرن لال مشتاق (۱۹۱۲ء — ۱۹۴۴ء) خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں[2]۔ یہ تو وہ شعرا ہیں جو راہیِ ملکِ عدم ہوچکے ہیں۔ انھیں کے ساتھ ایشوری پرشاد گہر کا نام بھی شامل کرلیجیے۔ وہ شعرا جو ابھی حیات ہیں ان میں رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری (ولادت ۱۸۹۶ء) جیسی قدآور شخصیت بھی ہے، جن کے تعارف میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔

ایشوری پرشاد گہر گورکھپور کے ایک معزز اور متمول کائستھ خاندان کے فرد تھے۔ ان کے دادا منشی پراگ دت ایک بڑے زمیندار تھے جن کی زمینداری شہر میں بھی تھی اور دیہات میں بھی۔ ان کے والد منشی منگل پرشاد عرف بھیکھی لال (متوفی ۱۹۴۶ء) کو ورثے میں اچھی خاصی جائداد ملی تھی۔ شہر کے محلہ قاضی پور خرد میں ان کا رہائشی مکان تھا، اور ایک رہائشی مکان موضع لکسر (تحصیل صدر ضلع گورکھپور) میں تھا۔ زمینداری کی نگرانی کے سلسلے میں ان کا قیام زیادہ تر موضع لکسر میں رہتا تھا، لیکن ان کے اہل و عیال شہر ہی میں رہتے تھے۔

گہر ۱۹۱۱ء میں گورکھپور کے محلہ قاضی پور خرد میں پیدا ہوئے۔ وہ کل پانچ بھائی تھے اور چار بہنیں تھیں۔ بھائیوں میں وہ دوسرے نمبر پر تھے۔ ان کا گھرانا کافی خوشحال تھا، اس لیے ان کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔ زمانے کے دستور کے مطابق اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ اس کے بعد ان کا داخلہ میاں صاحب جارج اسلامیہ اسکول (جو اب انٹر کالج ہے) میں ہوا لیکن وہ آٹھویں درجے سے آگے نہ بڑھ سکے۔ آٹھویں درجے میں ناکام ہونے کے بعد (۱۹۲۹ء) انھوں نے تعلیم ترک کردی، اور اپنے طور پر کتابوں کے مطالعے سے علم کی پیاس بجھاتے رہے۔

بچپن ہی سے گہر کو اردو اور فارسی شعر و ادب سے گہرا شغف تھا۔ شعرا کے دواوین خاص طور سے ان کے زیرِ مطالعہ رہتے تھے۔ انھیں اساتذہ اور معاصر شعرا کے کئی ہزار اشعار یاد تھے، جنھیں وہ برمحل موقع سے سنایا کرتے تھے۔ اسی ذوق نے انھیں شعر گوئی کی طرف مائل کیا۔ انھوں نے ۱۹۳۰ء میں شاعری شروع کی اور مرزا فہیم گورکھپوری کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ مرزا فہیم (متوفی ۱۹۴۳ء) جلال لکھنوی کے شاگرد تھے اور ان کا

---

[1] فراق گورکھپوری کے والد۔

[2] ان شعرا کے اجمالی تعارف کے لیے راقم السطور کا مقالہ "گورکھپور کے چند ہندو شعرا" مطبوعہ "نیا دور" لکھنؤ، نومبر ۱۹۷۰ء ملاحظہ فرمائیے۔

شمار اپنے دور کے اساتذہ میں تھا۔

گہر کی جوانی خاصی رنگین گزری۔ وہ شراب اور شباب دونوں کے رسیا تھے۔ اس کا عکس ان کی شاعری کے آئینے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ گہر نے ساری زندگی تجرد میں گزاری۔ اگر یہ کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا کہ انھوں نے شاعری ہی کو اپنی رفیق حیات بنا لیا تھا۔ وہ سر تا پا شاعر تھے۔ شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے۔ پاجامے کے پائنچے زمین سے گھسٹتے ہوئے۔ بال بکھرے ہوئے۔ عالم ہوش میں بھی ایک مستی کی کیفیت ہوتی تھی، اور عالم مستی کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ لیکن اس رندانہ اور لاابالی مزاج کے باوجود وضع داری کا یہ حال تھا کہ شیروانی کے بغیر کبھی گھر سے قدم باہر نہیں نکالا۔

گہر اردو کے عاشق زار تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں اردو کو جس کس مپرسی کا شکار ہونا پڑا، اس پر وہ خون کے آنسو روتے تھے، اور فراق کی طرح اپنے غم و غصے کا بخار ہندی اور ہندی والوں پر نکالتے تھے۔ ۱۹۶۷ء میں اردو محافظ دستے کی تحریک کے سلسلے میں گورکھپور سے حکیم ابو الکلام صدیقی کی قیادت میں ایک وفد گیا تھا جس نے سکریٹریٹ کے سامنے بھوک ہڑتال کی تھی۔ گہر بھی اس وفد میں شریک تھے، اور اس موقع پر بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ زبان کی صحت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اگر کسی کو گفتگو میں الفاظ کا غلط تلفظ استعمال کرتے ہوئے سنتے تو فوراً ٹوک دیتے تھے۔ شاعروں اور نشستوں میں بھی ان کا یہی دستور تھا۔ اس معاملے میں وہ آداب محفل کا بھی خیال نہیں رکھتے تھے۔ زبان کے سلسلے میں وہ انتہائی قدامت پسند تھے۔ انگریزی اور غیر مستعمل ہندی الفاظ کے استعمال کو، بالخصوص اشعار میں وہ قطعاً ناپسند کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شاعر نے آسمان کی جگہ آکاش یا گگن باندھ دیا تو پھر ان کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ اس شاعر کا منہ نوچ لیتے۔ ایسی صورت میں جدید شعری رجحانات اور تحریکوں کی طرف ان کا جو رویہ ہو سکتا تھا، وہ ظاہر ہے۔

گہر کو اپنے وطن گورکھپور سے بے انتہا محبت تھی۔ انھیں اس پر فخر تھا کہ ان کا تعلق گورکھپور سے ہے۔ انھوں نے ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں اور قصبات کے مشاعروں میں شرکت کی۔ وہ جہاں بھی جاتے مشاعروں میں غزل پڑھنے کے دوران بار بار یہ کہتے جاتے کہ "یہ گورکھپور بول رہا ہے۔" گورکھپور کے مشاعروں میں بھی خصوصاً جن میں باہر کے شعرا شریک ہوتے، ان کا یہی وطیرہ تھا۔ اس سے کبھی کبھی مشاعروں میں بدمزگی بھی پیدا ہو جاتی، مگر وہ وفاداری بشرط استواری کے قائل تھے، اور تاحیات اپنی اس روش پر قائم رہے۔

آخر عمر میں گہر بھی مجاز اور نریش کمار شاد کی طرح کثرت سے شراب پینے لگے تھے۔ جب ان کے پاس شراب کے پیسے نہ ہوتے تو وہ اپنے احباب اور ملنے والوں سے بلا تکلف مانگ لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے احباب اور ملنے والے ان سے کترانے لگے۔ گھر والوں نے بھی ان سے تقریباً قطع تعلق کر لیا تھا۔ کثرت شراب نوشی کی وجہ سے ۱۹۶۶ء میں ان پر فالج کا ایک ہلکا حملہ ہوا۔ معالجوں نے شراب پینے پر پابندی عائد کر دی۔ چند ماہ کے علاج کے بعد وہ اچھے ہو گئے اور کچھ دنوں تک شراب سے تائب بھی رہے، مگر بقول ریاض خیرآبادی ؎

جام مے توبہ شکن توبہ مری جام شکن
پھر وہی شغل مے دینا تھا اور گہر تھے

بظاہر ان کی صحت اچھی تھی، مگر شراب نے انھیں اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ ان کا جگر بالکل خراب ہو گیا تھا۔ اپنی وفات سے کوئی دس روز قبل وہ بیمار پڑے۔ تین چار روز تک گھر پر کس مپرسی کے عالم میں پڑے رہے۔ ان کے چند احباب نے بعد میں انھیں ڈسٹرکٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ وہیں ۱۵ر جون ۱۹۷۳ء کو ۵ بجے شام کو ان کا انتقال ہوا۔ ۱۶ر جون کو ۹½ بجے صبح کو ان کے مکان واقع محلہ قاضی پور خورد سے ارتھی اٹھی اور ۱۰½ بجے دن میں دریائے راپتی کے کنارے راج گھاٹ پر ان کا جسد خاکی نذر آتش کر دیا گیا۔

گہر اصلاً غزل کے شاعر تھے۔ کبھی کبھی منہ کا مزا بدلنے کے لئے انھوں نے رباعیاں، قطعات اور نظمیں بھی کہیں۔ ان کا دیوان "سلک گہر" کے عنوان سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا جس میں ۲۰۸ غزلیں، ایک نظم، ایک مخمس، ۹ رباعیاں اور ۳ قطعات ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مجموعہ ہندی میں "تالا" کے نام سے ان کی وفات سے چند دن قبل شائع ہوا، جس میں "سلک گہر" کی کچھ منتخب غزلیں اور کچھ نیا کلام شامل ہے۔ شراب نوشی کی بدولت آخر عمر میں انھیں مصحفی کی روایت پر عمل کرنا پڑا اور اس طرح ان کا بہت سا کلام دوسروں کی نذر ہو گیا۔

گہر نے جس زمانے میں شاعری شروع کی اس وقت گورکھپور میں وسیم خیرآبادی اور ان کے تلامذہ کے اثر سے

لکھنوی رنگِ سخن مقبول تھا۔ لیکن گہر کا مزاج اس رنگ کو قبول نہ کرسکا۔ اس لئے انھوں نے مرزا قسیم کو اپنا استاد بنایا جن کے یہاں جلال سے تلمذ کے سبب ایک حد تک دہلوی اندازِ بیان نمایاں تھا۔ ان کی وفات کے بعد گہر کسی دوسرے استاد کے حلقۂ تلمذ میں داخل نہیں ہوئے۔ تین سال کی مشق و مزاولت نے ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کردی تھی، اس لئے آئندہ انھوں نے اپنے ذوق ہی کو رہنما بنایا۔

پرانے اساتذہ میں گہر کو مومن سے گہری عقیدت تھی۔ وہ ان کے رنگِ سخن کے دلدادہ ہی نہیں تھے بلکہ انھوں نے اس کی پیروی کی بھی کوشش کی۔ اپنے ایک مقطع میں انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا ہے ؎

تیری غزلوں میں اے گہر اکثر
رنگِ مومن کی پیروی دیکھی

مومن کی طرح گہر نے بھی صرف تغزل سے سروکار رکھا۔ ان کے یہاں نہ غالب کا فلسفہ ملتا ہے، نہ ذوق کی اخلاقیات اور نہ درد کا تصوف۔ ان کی شاعری صرف عشقِ مجاز کے محور پر گھومتی ہے۔ کبھی کبھی وہ خمریہ اشعار بھی کہہ لیتے تھے۔

گہر کی عشقیہ شاعری جگ بیتی نہیں آپ بیتی ہے۔ ان کے اشعار میں جو بیشتر وارداتِ عشق پر مبنی ہیں، ایک سرشاری و سرمستی کی کیفیت ملتی ہے۔ یہ سرشاری و سرمستی ان کی شخصیت کا بنیادی جزو ہے، اور یہی ان کی شاعری کی بھی بنیادی خصوصیت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے یہاں درد و غم کی ایک ہلکی آنچ بھی پائی جاتی ہے۔ ان کے اشعار میں میر کا سوز و گداز نہ سہی، مگر ایک لطیف کسک ضرور موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار دلوں کو چھوتے ہوئے نہیں گزر جاتے، بلکہ ان پر اپنا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

لاکھ ضبطِ غم کیا میں نے محبت میں مگر
ہر تغیر میرے چہرے کا فغاں بنتا گیا

اس نگاہِ ناز کو سمجھے تھے ہم سامانِ زیست
اس نے تو شیرازۂ ہستی پریشاں کر دیا

انتظارِ دوست کی اللہ رے مایوسیاں
ڈوبتے جاتے ہیں تارے ڈوبتا جاتا دل

یوں آئینے میں رنگِ جنوں دیکھتے رہے
جیسے کہ مل رہے تھے کسی اجنبی سے ہم

بے نیازِ زندگی میری طبیعت ہو گئی
کون کہتا ہے محبت کا کوئی حاصل نہیں

خونِ دل کر ہی چکے، خونِ جگر بھی کر دو
اور رنگین بنا دو مرے افسانے کو

مجھے خیال یہ گزرا کہ آ گیا کوئی
جو شامِ ہجر میں جھونکے کبھی ہوا کے چلے

مری محبت مرے لئے ہے کسی کو کیا واسطہ ہے اس سے
مجھے شکستِ وفا ہوئی ہے زمانہ کیوں ہاتھ مل رہا ہے

گہر عشق کی ہر منزل سے گزر رہے ہیں۔ انھوں نے "کارِ محبت" کے تمام مراحل طے کئے ہیں۔ وہ محبوب کے وصل سے بھی شادکام ہوئے ہیں اور اس کے فراق میں تلخابۂ غم بھی پیا ہے۔ انھوں نے اپنے شبستان میں زلف و عارض کے فانوس بھی روشن کئے ہیں اور داغہائے دل کے چراغ بھی جلائے ہیں۔ اس لئے ان کے یہاں حسن اور عشق دونوں کی نفسیات کا گہرا مشاہدہ ملتا ہے ؎

یہ فریبِ حسن کی دیکھو کرشمہ سازیاں
آج تک دل نے نہیں سمجھا کہ دھوکا ہو گیا

حسن روٹھا تو کوئی بات نہیں
عشق کا روٹھنا ہے غور طلب

مختاری و مجبوری کا دیکھو یہ تماشا
ہے شوخیِ گفتار ادھر اور ادھر چپ

نیاز و ناز میں اتنا ہی فرق ہے ہمدم
ادھر ہے ضبط، ادھر ضبطِ اضطراب نہیں

کیوں آج نگاہوں میں تبسم کی جھلک ہے
شاید انھیں رعنائی کا احساس ہوا ہے

گہر کی شاعری کا دوسرا موضوع شراب ہے جیسا کہ اس سے قبل ذکر آچکا ہے، وہ ایامِ نوجوانی ہی سے شراب پینے لگے تھے اور آخر عمر میں تو "غرق مے ناب اولیٰ" کے مصداق ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے دیوان میں خمریہ اشعار

ترقع سے بہت کم ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے شراب ان کی زندگی میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ عشق ہی ان کا سرمایۂ حیات تھا۔ ان کے ایک شعر سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے ؎

جی کے بہلانے کو اکثر پی لیا کرتے تھے ہم
کیا خبر تھی ہے ہماری زندگی ہو جائے گی

ان کے خمریہ اشعار تعداد ہی میں کم نہیں، بلکہ ان کے عشقیہ اشعار کے مقابلے میں کمتر درجے کے بھی ہیں پھر بھی ان میں ایک کیفیت ضرور ہے کیونکہ یہ ذاتی تجربات پر مبنی ہیں ؎

گہر شباب میں توبہ ارے معاذ اللہ
خدا کا نام لے اور ساغرِ شراب اٹھا

اللہ اللہ اعتبارِ ذوقِ بے نوشی مرا
دیکھتے ہی جام سے بے ہوش ہو جاتا ہوں میں

ملی نہ تھی دنیا میں کہیں راحتِ ہستی
مے خانے میں پہنچے ہیں تو غم بھول گئے ہیں

ادھر لا ساقیا اک گھونٹ پی لوں
کہ پھر ایسی بہار آئے نہ آئے

اے مؤذن روک لے تو اپنی آوازِ اذاں
مے ابھی تھوڑی سی باقی میرے پیمانے میں ہے

آخر میں گہر کے چند منتخب اشعار پیش کئے جا رہے ہیں جن سے ان کے رنگِ سخن اور شعری خصوصیات کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور ان کے شاعرانہ مرتبے کا اندازہ لگایا جا سکے گا ؎

دل نے بھی تجھ سے بے وفائی کی   حسن ہی بے وفا نہیں ہوتا
ایک وہ بھی زمانہ آتا ہے   جب کوئی مدعا نہیں ہوتا

آ گیا چہرے پہ ہلکا سا تغیر دم بھر   یہ بھی آدابِ محبت کو گوارا نہ ہوا

کہتا ہے عشق نعمتِ پروردگار ہے
دیوانہ بات کرتا ہے ہشیار کی طرح

ایک مجموعہ ہے وہ افسانۂ شوق کا
اصطلاحِ عام میں جس کو کہا جاتا ہے دل

(صفحہ ۷ سے آگے)

ہوگی۔ عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ جلد شائع ہونے والا ہے۔ شعراء حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنا مجموعہ کلام یا زیادہ سے زیادہ منتخب غزلیات مع تعارف و تصویر کے جلد بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔ مرحوم یا غیر معروف شعراء کے کلام بھی بھیجا جا سکتا ہے۔

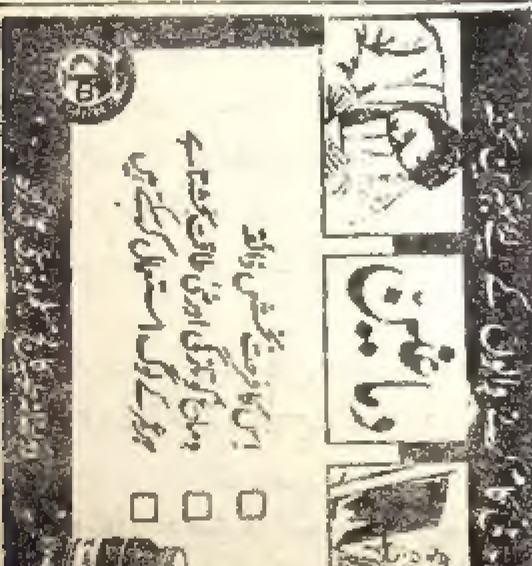
• ذکی کاکوروی
۲۴، شاہ گنج لکھنؤ ۳

(باقی صفحہ ۱۱ سے آگے)

اردو مجلس کا ادبی اجلاس و مشاعرہ

حیدرآباد: اردو مجلس کا ماہانہ ادبی اجلاس و مشاعرہ اردو ہال میں جناب میر حسن صدر انجمن ترقی پسند مصنفین کی صدارت میں ہوا۔ سب سے پہلے جناب پروفیسر حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے ڈاکٹر جعفر حسن مرحوم کو اردو زبان و ادب کا ایک قدیم خدمت گزار قرار دیا۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ ریڈر جامعہ عثمانیہ نے "اورنگ آبادی" کی ادبی زندگی پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ صفی اورنگ آبادی ایک باکمال اور منفرد شاعر تھے۔ جناب اطہر افسر نے "آواز دو" بالتفصیل کے عنوان پر ریڈیائی ڈراموں کی تاریخ اور اس کی بتدریج ارتقاء پر روشنی ڈالی۔ جناب ریونڈ حسن رکھائی کی مرتبہ کتاب ہندوستانی شعراء کا تذکرہ "پیغام حیات" کی رسم اجراء جناب حبیب الرحمن صاحب کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جناب رکھائی نے اپنی مختصر تقریر میں کئی اردو شاعروں اور ادیبوں کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ صدر جلسہ جناب میر حسن نے اپنی صدارتی تقریر میں ڈاکٹر زینت ساجدہ کے مضمون کی ستائش کی اور صفی اورنگ آبادی جیسے بلند شاعر پر مزید لکھنے پر زور دیا۔ ادبی اجلاس کے بعد مشاعرہ ہوا۔

• نامہ نگار



مراسلات

اردو یونیورسٹی

ہماری زبان علی گڑھ کے شمارہ یکم راگست ۱۹۷۳ء میں "جامعہ کو اردو یونی ورسٹی بنانا کیوں ضروری ہے" کے زیر عنوان جو اداریہ سپرد قلم کیا گیا ہے مجھے اس کی کچھ باتوں سے اختلاف ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ (جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے) اسلامی ماحول میں بزمانۂ خلافت قائم ہوئی تھی۔ اور اگرچہ دھیرے دھیرے پروفیسر مجیب ڈاکٹر عابد حسین اور اعظمی وغیرہ جیسے سیکولرسٹ لوگوں کا اس پر قبضہ ہو گیا لیکن یہ لوگ بھی اپنے طور پر اسلام کے داعی ہیں خواہ خدا مست پرست کتنا بھی ان سے اختلاف کریں۔ آپ خود بھی تحریر فرماتے ہیں "جامعہ کی بنیاد مولانا محمود الحسن کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی۔ مولانا محمد علی نے اس کی آبیاری کی اور ڈاکٹر ذاکر حسین اور ان کے ساتھیوں نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا اس کی قومی بنیاد خدمت اور لگن کا ماحول مذہب کی اخلاقی تعلیم پر زور .... یہ سب ایسی خصوصیات ہیں جن پر جامعہ کو نہیں ملک و قوم کو فخر ہے" میں مانتا ہوں کہ جامعہ نے ہندوستان کی مشترک تہذیب کے پس منظر میں تعلیمی رجحانات پر اصرار کیا" اور یہ بھی تسلیم ہے کہ اس نے اردو کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں لیکن جس پس منظر میں اس کا وجود ظہور میں آیا اور اسلام کی جو چھاپ اس پر ہمیشہ لگی رہی وہ اس کے اردو یونی ورسٹی بنانے میں حارج ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلے گا کہ اسلام کا یا مسلمانوں کا کوئی خاص تعلق اردو سے ہے اور وہاں سے یہ بات ذہنوں میں جم جائے گی کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے حالانکہ اردو ہندو اور مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے اسی بناء پر میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو بھی اردو یونیورسٹی بنانے کا مخالف ہوں۔ میں خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ اردو یونیورسٹی علیحدہ بنائی جائے اور موجودہ کوئی یونی ورسٹی اردو یونی ورسٹی نہ بنائی جائے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسری یونی ورسٹیاں اردو کو ذریعہ تعلیم قرار نہ دیں یہ ان کا اپنا اندرونی معاملہ ہے۔ وہ جو چاہیں وہ کریں لیکن جس اردو یونیورسٹی کو محبان اردو مطالبہ کر رہے ہیں اسے بالکل الگ غیر فرقہ وارانہ فضا میں بلا امتیاز مذہب و نسل بنایا جائے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ایکٹ کے پاس ہونے کے بعد اب صرف یونیورسٹیاں ہی ڈگری دے سکتی ہیں اور یونیورسٹیاں صرف پارلیمنٹ قائم کر سکتی ہے لیکن علی گڑھ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ پارلیمنٹ جس طرح کی یونی ورسٹی چاہے قائم کر سکتی ہے۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "سوشلزم کے دور میں حکومت سے یہ مطالبہ بجا ہے کہ وہ وسائل کی فراہمی میں مدد دے کچھ لوگ اس قسم کے سوشلزم سے اختلاف کریں گے جس میں تعلیمی اداروں میں حکومت ضرورت سے زیادہ دخیل ہو جائے لیکن جس اردو یونیورسٹی کا مطالبہ ہے وہ علی گڑھ اور جامعہ قسم کی نہ ہوگی بلکہ ایک سنٹرل یونیورسٹی ہوگی اور اس کے کل اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی ورنہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

بستی۔ • محمد عدیل عباسی

ایک استفسار

گجرات یونی ورسٹی کے زیر اہتمام فارسی گجراتی لغت پر کام ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں صدر شعبۂ فارسی مسٹر نائک صاحب کو یہ معلوم کرنا ہے کہ ابوالحسن جو ۱۰۸۳ھ مطابق ۱۶۷۲ء کو گولکنڈہ کے تخت پر جلوہ افروز ہوا تھا اور جس کو ۱۰۹۸ھ مطابق ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو فتح کرنے کے بعد قید کر لیا تھا اس کا لقب تانا شاہ مشہور ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ تاناشاہ کا صحیح املا کیا ہے؟ طغرشاہ یا تانا شاہ یا ... یا ... ؟

قارئین ہماری زبان سے گزارش ہے کہ وجہ تسمیہ کے ساتھ صحیح املا کی نشاندہی فرمائیں۔

گودھرہ۔ • احمد حسین ملا

خواجہ میر درد کا ایک شعر

خواجہ میر درد کے مندرجہ ذیل شعر کی وضاحت چاہتا ہوں۔ قارئین ہماری زبان سے گزارش ہے کہ اس شعر کے مطلب کی وضاحت فرمائیں۔

شعر

زور عاشق مزاج [illegible]

درد کو [illegible]

امروہہ۔ • [illegible]

اردو انسائیکلوپیڈیا کا دوسرا ایڈیشن

آپ کے موقر جریدہ کے ذریعہ یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ اردو انسائیکلوپیڈیا کا دوسرا مکمل ایڈیشن جس کی ضخامت بڑے سائز پر ایک ہزار صفحات سے زائد

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

انجمن کی خبریں

ضلعی اردو کانفرنس

بلرام پور۔ (گونڈا)۔ مقامی انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک ضلعی اردو کانفرنس ریاستی انجمن ترقی اردو کے سربراہ جناب شیو ناتھ پرشاد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی

صدر مجلس استقبالیہ حکیم عبدالمنعم خاں صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو کا مسئلہ نہ تو سیاسی ہے اور نہ یہ زبان کسی ایک فرقہ کی زبان ہے بلکہ صدیوں کے تہذیبی اور معاشرتی لین دین نے جس نئی تہذیب اور زبان کو جنم دیا ہے اس کی ترقی یافتہ شکل کا نام اردو ہے۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ بانی ریاست مہاراجہ بلرام پور اردو کے شیدائی تھے اور ان کے زمانہ میں اردو ریاست کے سارے کاروبار میں رائج تھی۔ اس لئے یہاں محبان اردو کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ ہماری ریاستی انجمن ترقی اردو اترپردیش نے تعلیمی مسائل میں انقلابی ڈھنگ سے کام شروع کیا ہے اور اس کی روشنی میں مقامی شاخ نے بھی بلرام پور میں اپنی اسکولی اور تعلیمی مہم چلائی ہے۔

ریاستی شاخ کی نائب صدر محترمہ بیگم سلطانہ حیات صاحبہ نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندی اور اردو میں کسی رقابت کا سوال ہی نہیں ہے۔ بلکہ اردو والوں نے ہمیشہ ہندی کی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اردو والے ہندی کے ادیب اور شاعر اور ہندی مستند اداروں کے ذمہ داروں کو اردو کے کاز سے واقف کرائیں، تاکہ اردو کے خلاف بدگمانیاں دور کرنے اور خوشگوار فضا قائم کرنے میں مدد ملے۔

صدر کانفرنس جناب شیو ناتھ پرشاد صاحب نے کہا کہ اردو جس شرافت اور اخلاق و تہذیب کا درس دیتی ہے۔ اس کا اعتراف ہندی کا بڑے سے بڑا ادیب اور شاعر بھی کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں آریہ سماجی ہندو صرف اردو کتابوں کی بدولت ہوں۔ کیونکہ ہندو دھرم کا اہم لٹریچر اردو میں موجود ہے۔

آخر میں دو تجاویز منظور کی گئیں۔

پہلی تجویز میں ریاستی انجمن ترقی اردو کی اسکولی اور تعلیمی مہم کو کامیاب بنانے کے عزم کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور ریاستی شاخ کے "عمارتی فنڈ" میں چندہ کا وعدہ کیا گیا۔

دوسری تجویز میں تسلیم شدہ اردو مکاتیب کی گرانٹ کو مستقل کر دینے اور بجائے معمولی رقم کے مناسب امداد دینے کا حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور ریاستی شاخ سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ اس مسئلہ کو اٹھائے۔

• عبدالاحد بکرانی، سکریٹری

سنبھل اردو کانفرنس کے مطالبات

انجمن ترقی اردو سنبھل کے زیر اہتمام محبان اردو کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس نے مندرجہ ذیل قراردادیں متفقہ طور پر منظور کیں۔

۱۔ یہ کانفرنس ریاستی حکومت کے اعلیٰ ذمہ داروں نیز گورنر اترپردیش سے پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ اردو کے فروغ کے سلسلہ میں جو مراعات دی گئی ہیں اس ضمن میں مرادآباد ضلع کو اولیت دی جائے اور یہاں اردو کی ترویج و اشاعت اور تعلیم کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں۔

۲۔ ضلع کے ہر تعلیمی ادارے میں اردو پڑھانے کا بندوبست کیا جائے اور مجوزہ اردو اساتذہ کا تقرر جلد از جلد کیا جائے تاکہ وہ طلبہ جو اردو پڑھنا چاہتے ہیں اور اردو ٹیچر نہ ہونے کی وجہ سے ادھر ادھر بھٹک رہے ہیں، اردو کی تعلیم سے محروم نہ رہیں۔

۳۔ ریجنل انسپکٹرس آف گرلز اسکولس مقامی آریہ سماج گرلز انٹر کالج، اور گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول میں اردو کی ٹیچرز کا فوراً تقرر کریں اور ان اداروں میں اردو کی تعلیم شروع کئے جانے کی ہدایات جاری کریں۔

۴۔ مقامی ششکر انٹر کالج، بال ودیا مندر، حکیم رئیس جونیر ہائی اسکول، وغیرہ میں اردو کی باقاعدہ تعلیم کا فوری بندوبست کیا جائے۔

۵۔ ضلع میں اردو کی اعلیٰ تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے۔ ڈگری درجات کی سطح پر، مرادآباد، حسن پور، امروہہ، چندوسی، بہجوئی وغیرہ میں بی۔ اے کلاسسز میں اردو کی تعلیم شروع کی جائے اور سنبھل کے ڈگری کالج میں اردو میں ایم اے کلاسسز کا آغاز کیا جائے اور اسے خاطر خواہ مالی امداد دی جائے۔

• تنزیل احمد، آفس سکریٹری

ایک گذارش

قارئین "ہماری زبان" و "اردو ادب" سے درخواست ہے کہ وہ انجمن کو منی آرڈر کرتے وقت کوپن پر پورا پتہ ضرور تحریر کریں نیز

اخباروں سے تراشے

قومی یک جہتی کے لئے ہندی اور اردو کو مساوی درجہ دینے کی تجویز

لکھنؤ:- آج یہاں تجویز کیا گیا کہ قومی یک جہتی کے حصول کے لئے بین الفرقہ وارانہ تعلقات اور ہندی اور اردو کو مساوی درجہ دینا ایک اہم قدم ہوگا۔ یہ تجویز صوبائی یک جہتی کاونسل کے ایک اجلاس میں پیش کی گئی جس کی صدارت یوپی کے گورنر شری اکبر علی خاں کر رہے تھے۔

• دعوت، دہلی

چھٹی سے آٹھویں تک کی اردو کتابیں بازار سے غائب

پہلے سے آٹھویں درجہ تک کی نصابی کتابوں کی فہرست اترپردیش اردو اکاڈمی نے اخباروں میں شائع کردی ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محکمۂ تعلیم کی طرف سے جملہ مضامین میں اردو کی کتابیں شائع ہوچکی ہیں لیکن ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں جو ابھی تک بازار میں نہیں آئی ہیں اور چھٹے سے آٹھویں درجہ تک کی اردو زبان کی کتاب دبستان اور بہارستان تو شروع ہی سے غائب ہیں معلوم ہوا ہے کہ مستقبل قریب میں بھی یہ کتابیں نہیں مل سکیں گی کیونکہ وہ کتابیں ابھی تک شائع ہی نہیں ہوئیں طلبہ اور سرپرست سخت پریشان ہیں محکمہ تعلیم کے ذمہ داروں سے پرزور درخواست ہے کہ وہ ان کتابوں کو جلد سے جلد شائع کرا کے بازار میں منگائیں۔

• ڈاکٹر شجاعت علی لکھنؤ۔ (حیات دہلی)

اٹاوہ میں تعلیم کی دشواریاں

حکومت کے بار بار اعلانات کے باوجود ابھی تک اردو ٹیچروں کا تقرر نہیں ہوا۔ بیسک شکشا ادھیکاری جنہوں نے انٹرویو لیا تھا اٹاوہ سے تبدیل ہوگئے ہیں اور انٹرویو کے بارے میں ان کی کوئی رپورٹ دفتر میں نہیں مل رہی ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ صرف اٹاوہ اور اوریا کے میونسپل اسکولوں میں اردو ٹیچر مقرر کئے جائیں گے۔ جب کہ ضلع میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں اسکول میں چالیس سے بھی زائد اردو پڑھنے والے موجود ہیں لیکن اردو تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اماکین حکومت کو اس طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

• حیات۔ دہلی

سیتاپور میں اردو ختم

کھیم کرن انٹر کالج بسرپور، سیتاپور میں کافی طلبہ اردو پڑھنا چاہتے ہیں۔ چند سال پہلے یہاں درجہ چھ سے درجہ آٹھ تک اردو پڑھائی جاتی تھی لیکن وہ ختم کردی گئی۔ امید ہے کہ اب کالج کے منتظمین اور محکمہ تعلیم کے ذمہ دار افسران اس طرف دھیان دیں گے۔

• خلیق احمد انصاری۔ (حیات دہلی)

اردو گزٹ

لکھنؤ:- اترپردیش گورنمنٹ کے بھاشا وبھاگ نے ورش کو ایک خط میں ریاستی حکومت کے تمام دفاتر کو مطلع کیا تھا کہ اب اردو گزٹ بھی چھپا کرے گا اور اس میں شائع ہونے کے لئے مواد بھیجنے کی پوری ذمہ داری متعلقہ محکموں پر ہوگی۔ اس خط میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ اگر محکمے ضروری سمجھتے ہیں تو اپنے ترجمے بھاشا وبھاگ کے اردو سیکشن کو دکھالیا کریں لیکن تین ماہ گزر جانے کے بعد بھی ان احکامات پر عمل کے بجائے احکامات کی خلاف ورزی ہورہی ہے اور کسی نے اس پر غور نہیں کیا ہے۔ یہ اس بات کی زندہ مثال ہے کہ نوکر شاہی اور دفتر حکومت کی ترقی پسند اور لبرل پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے میں کتنی تاخیر کر سکتی ہے۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

اردو ادیبوں کا کنونشن

چنڈی گڑھ:- یہاں پر بتایا گیا ہے کہ وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی ۱۱ نومبر کو لکھنؤ میں غیر مسلم اردو ادیبوں کے کنونشن کا افتتاح کریں گی اس کنونشن میں تمام ملک سے تقریباً ایک ہزار غیر مسلم اردو ادیبوں کی شرکت متوقع ہے۔ کنونشن میں اور باتوں کے علاوہ اردو کے فروغ اور توسیع واشاعت کے مسئلہ پر بھی غور کیا جائے گا۔ پنجاب، ہماچل پردیش اور ہریانہ سے اس کنونشن میں ڈیڑھ سو ڈیلیگیٹ شریک ہوں گے۔ ہریانہ کے وزیر داخلہ جناب پوسوال جو اردو کے ایک پرجوش حامی ہیں، اس کنونشن میں شریک ہوں گے اور اردو کے تمام ممتاز اور سربرآوردہ شاعر و ادیب اس میں شامل ہوں گے۔

• الجمعیۃ، دہلی

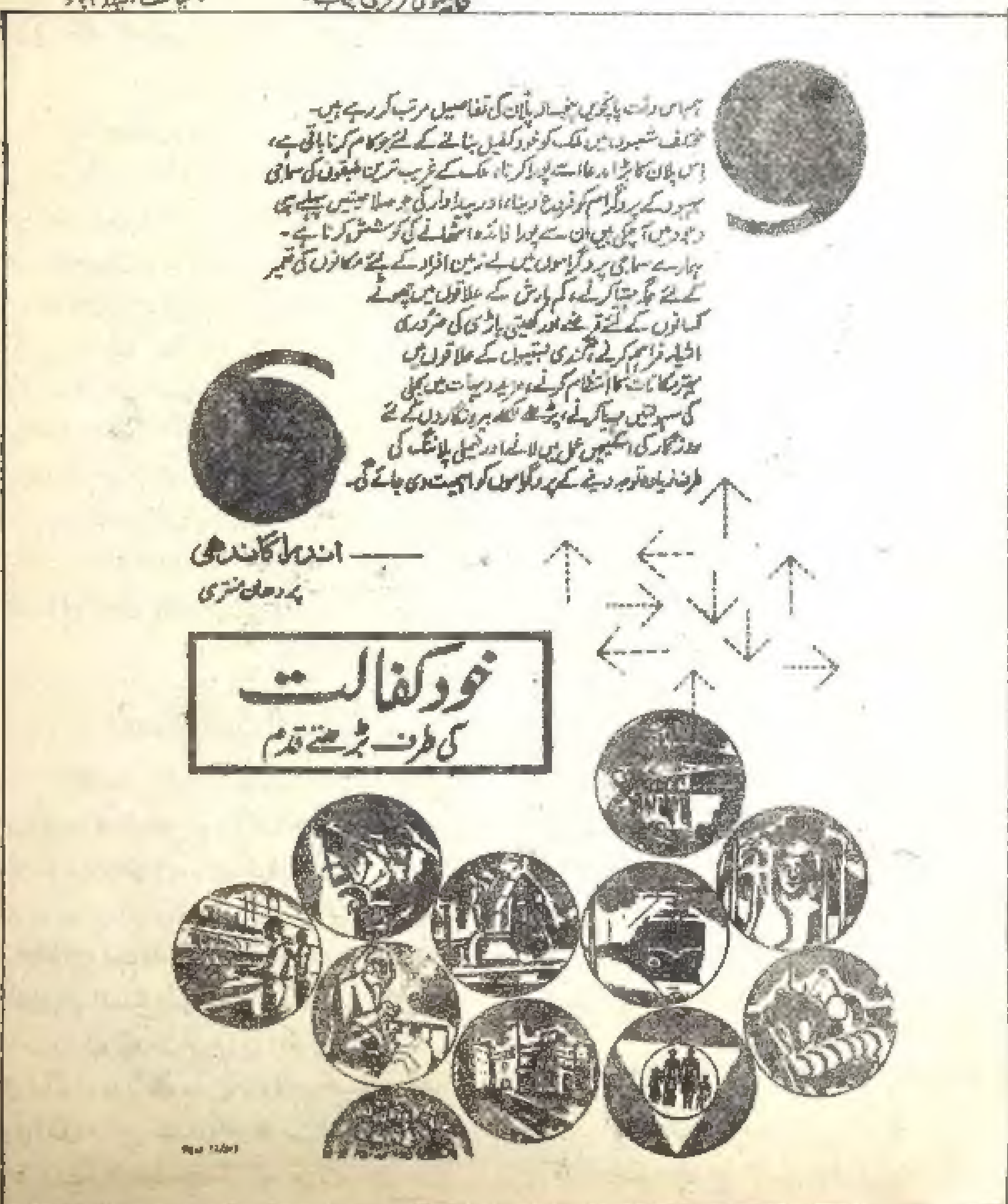
اردو میڈیم اسکولوں کو رفتہ رفتہ ہندی میڈیم بنانے کی سازش

بلقرا روڈ (ڈیلیا)- مشہور سماجی کارکن اور ضلع کے

سرکردہ کانگریسی رہنما جناب رفیع اللہ نے اپنے ایک بیان میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا ہے کہ بیر بلاک کے ۶ اردو میڈیم اسکولوں کو رفتہ رفتہ ہندی میڈیم میں تبدیل کرنے کی سازش ہو رہی ہے موصوف نے ایک ملاقات میں بتایا کہ یہاں کے اردو میڈیم اسکولوں میں تیزی کے ساتھ اردو اساتذہ کی خالی جگہوں کو ہندی ٹیچروں سے پُر کیا جا رہا ہے جس سے ان اسکولوں میں اردو تعلیم کا نظام مفلوج ہو کر رہ گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ ان تمام اسکولوں میں صرف ہندی ٹیچر رہ جائیں گے اور یہ ادارے خود بخود ہندی میڈیم میں تبدیل ہو جائیں گے کانگریسی رہنما نے اس کو خطرناک اور زہریلی سازش قرار دیا۔ • ریاست جدید کانپور

اردو ادیبوں اور شاعروں کو مالی امداد کی اپیل

حیدرآباد ۔ مولانا حافظ ابو یوسف نے آج اپنے صحافتی بیان میں اردو کے نادار ادیبوں اور شاعروں کو مالی امداد دینے کی گورنر اور ان کے مشیروں سے اپیل کی ہے انھوں نے کہا کہ اردو دنیا میں بولی جانے والی بڑی زبانوں میں چینی، انگریزی زبان کے بعد تیسرے نمبر پر ہے اس زبان کے نادار شعراء اور ادیبوں کی مالی امداد کی ایک اسکیم مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت کے زیر غور رہی اور کئی ادیبوں کی مالی امداد کی کارروائی بھی ہو رہی تھی۔ مگر اب تک عمل درآمد نہ ہوسکا! گورنر اور ان کے مشیروں کو فوری توجہ کرکے ان کارروائیوں کی تکمیل کر دینی چاہیے۔ • سیاست حیدرآباد



دوسرے اداروں کی خبریں

بہار اردو اکیڈمی میں اصلاح کی ضرورت

پٹنہ:۔ حلقۂ ادب پٹنہ کی مجلس عاملہ کی نشست جناب پروفیسر عبدالمغنی کی صدارت میں ہوئی جلسے میں بہار اردو اکیڈمی کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا۔ اور غور و فکر کے بعد مندرجہ ذیل تجویز اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔

"حلقۂ ادب کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ بہار میں اردو کا اصل مسئلہ اور مطالبہ یہ ہے کہ اردو کو دستور کی دفعہ ۳۴۷ اور ۳۴۵ کے تحت بہار کی علاقائی اور دوسری سرکاری زبان باضابطہ تسلیم کیا جائے اس سلسلہ میں بہار اردو اکاڈمی کے نام سے جو سرکاری ادارہ حال میں قائم کیا گیا ہے، اس کے متعلق مجلس عاملہ کو یہ شبہ ہے کہ حکومت کا یہ اقدام ریاست میں اردو کے اصل مسئلہ اور مطالبہ کی طرف سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے ہے۔

اس لئے حلقۂ ادب کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ حکومت بہار سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ بہار اردو اکاڈمی کی موجودہ تشکیل کو بلا تاخیر ختم کر دیا جائے اور اس کی جگہ اس ادارہ کی از سر نو تشکیل کی جائے جو سے طریقۂ کار اور بلند تر مقاصد کا تعین کرے۔ اس سلسلہ میں یہ جلسہ حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ اکاڈمی کی نئی تشکیل کے سلسلہ میں بہار کی اردو آبادی کے نمائندہ اداروں اور افراد سے بھی مشورہ کیا جائے"

• احمد حسین آزاد، جنرل سکریٹری

خط و کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۷۳ء

۷۳-۱۹۷۲ء	نصاب تعلیم جاری ہوئے	داخلے اور پہلا دوسرا کتاب	تیسری کتاب	کیفیت
پہلی سہ ماہی رپورٹ	۱۹۷۰	۱۳۵۱	۴۵۳	۱۷۹
دوسری سہ ماہی "	۲۱۰۵	۱۰۱۹	۳۴۴	۱۷۰
تیسری سہ ماہی "	۲۱۳۹	۹۱۹	۳۹۵	۲۰۳
چوتھی سہ ماہی "	۱۷۷۴	۹۳۸	۳۲۵	۱۶۱
اس سال کا میزان	۷۹۸۸	۴۲۲۷	۱۵۱۷	۷۱۰
ابتدا سے اب تک	۱۷۹۹۸	۷۲۹۸	۲۰۴۳	۸۹۲

• ڈائرکٹر، خط و کتابت اردو کورس جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

اردو لسانی اقلیت کی مشکلات کو دور کرنے کا مطالبہ

وزیر اعلیٰ راجستھان کی خدمت میں کنوینر اقلیت سیل ضلع کانگریس کمیٹی نے ایک عرضداشت پیش کی ہے جس میں اردو لسانی اقلیت کے غریب بچوں کو وظیفے دلوا کر تعلیم میں سہولت پیدا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اقلیتی فرقے کے سرکاری الحاق شدہ امدادی تعلیمی اداروں کو ان کی ضرورت کے مطابق زیادہ سے زیادہ مالی امداد دی جائے تاکہ ان کا موجودہ تعلیمی معیار سرکاری تعلیمی اداروں کے برابر ہو سکے۔ اور ان اداروں میں کتب خانوں اور دار المطالعوں کو مالی امداد دے کر سرکاری اداروں کے معیار کے مطابق لانے کا انتظام کیا جائے۔ اقلیتی فرقوں کے تعلیمی اداروں میں بورڈنگ ہاؤس قائم کئے جائیں اور جہاں بورڈنگ ہاؤس ہیں وہاں انھیں مالی امداد دے کر دوسری سہولتیں بھی فراہم کی جائیں، پبلک لائبریریوں اور امدادی لائبریریوں میں اردو کتابوں، اخبارات اور رسائل کا معقول انتظام کیا جائے۔

راجستھان کے اردو اسکولوں کے لئے قابل مدرسین فراہم کئے جائیں۔ مدرسین کو ان کی قابلیت کے مطابق ترقی کے مواقع دئے جائیں۔ جس طرح سنسکرت کے مدرسین کو تیسرے اور دوسرے گریڈ میں تقرری دی جاتی ہے ایسی اردو مدرسین کو بھی دی جائے۔

راجستھان کے کسی بھی کالج میں اردو کے ٹیچروں کی ٹریننگ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس لئے ٹریننگ مراکز میں ٹریننگ دینے کے لئے اردو مدرسین مقرر کئے جائیں اور کم سے کم ہر ڈویژن میں اردو ٹریننگ اسکول کھولے جائیں سنسکرت اور ہندی کی طرح اردو سمینار اور کانفرنسیں منعقد کرنے کا انتظام کیا جائے ہر ضلع میں ایک اردو داں ایس۔ ڈی۔ آئی لگایا جائے۔

ہر معیار کی نصابی کتب کا اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے غیر سرکاری قابل اعتماد اردو اساتذہ کا تعاون حاصل کیا جائے۔ اردو شعرا اور ادیبوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ریاستی انعامات اور وظائف دئے جائیں۔ اردو داں امیدواروں کو سرکاری خدمات کا موقع دیا جائے۔

• روشن علی غوری، کنوینر اقلیت سیل
کانگریس کمیٹی ضلع ناگور (راجستھان)

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲ پر)

تبصرہ

ڈاکٹر نورالحسن

پدماوت کی مختصر فرہنگ

مرتبہ: ڈاکٹر محمد انصار اللہ
ناشر: ادارۂ المخدوم داکخانہ سندپور ضلع کڈپہ (آندھرا پردیش)
صفحات: ۴۰۴، قیمت: ۵ روپے

ڈاکٹر محمد انصار اللہ صاحب کی زیر نظر تالیف (پدماوت کی مختصر فرہنگ) ان کے ایک اہم کارنامے کا ایک قابل قدر حصہ ہے۔ اور وہ کارنامہ ہے اردو زبان کی ابتدا کے متعلق ایک نیا مگر سائنٹی فک نظریہ۔ ان کی رائے ہے کہ اردو کا سرچشمہ اودھی ہے اس طرح وہ ان سارے نظریات کو باطل قرار دیتے ہیں جو اردو کی اصل کی بابت اب تک پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا نظریہ صحیح ہے یا غلط اس کا فیصلہ اسی وقت ممکن ہے جب اس موضوع پر ماہرین کافی غور و خوض کرلیں لیکن وہ اپنے دعوے کی دلیل میں جو مواد پیش کرتے ہیں اسے آسانی سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

پدماوت کے قدیم ترین نسخے اردو رسم خط میں ملتے ہیں لیکن اردو والوں نے اسے متاع غیر سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کتاب کو توضیحی حواشی کے ساتھ شائع کیا جاتا۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اسی کوشش سے لوگ اس اہم کام کی طرف متوجہ ہوں۔

اس مختصر فرہنگ اور مقدمے کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جائسی نے عربی فارسی کے ان الفاظ کو جو اس زمانے میں خاص و عام میں رائج تھے بے تکلف برتا ہے مگر تلفظ میں رد و بدل کرکے انھیں اودھی کے لب و لہجے اور مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ کرلیا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس کتاب کی اہمیت ہمارے لئے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر انصار اللہ صاحب نے یہ کام کرکے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو ایک مبسوط عالمانہ مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے جس میں جائسی کے عہد، جائسی کے حالات زندگی اور پدماوت کی ادبی اور لسانی اہمیت پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ پدماوت کا ایک معتبر اور صحیح نسخہ ان کے مطالعے میں رہا ہے جس میں جگہ جگہ تصحیح کی گئی ہے بعض جگہ توضیحی اشارات بھی موجود ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نسخہ کسی خوش مذاق کے مطالعے میں رہا ہے۔

اس فرہنگ میں الفاظ، حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دئے گئے ہیں۔ مفہوم واضح کرنے کے بعد وہ شعر بھی درج کر دیا گیا ہے جس میں وہ لفظ استعمال ہوا ہے لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ہی لفظ مختلف تلفظ اور مختلف املا کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ عام طور پر ان سب صورتوں کو داخل فرہنگ کیا گیا ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جہاں تلفظ کا فرق بہت نمایاں ہے یا معنی بہت مختلف ہیں۔ ایسی صورت میں ایک سے زائد شعر بھی دئے گئے ہیں۔ لسانیات کے ماہرین نے کسی لفظ کے بارے میں کوئی قابل ذکر بات کہی ہے تو اسے بھی حسب موقع نقل کرکے اس پر اپنی رائے کا اضافہ کیا ہے۔

اب تک ڈاکٹر انصار اللہ صاحب کا جو کام منظر عام پر آیا ہے وہ شاہد ہے کہ ڈاکٹر صاحب بڑی لگن اور بڑی محنت سے کام کرنے کے عادی ہیں۔ ان کا یہ کارنامہ بھی ان کی دقت نظر اور علمی کاوش کا مظہر ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

صحرا کا سفر۔
راہی قریشی
ولا اکاڈمی اعزیز باغ اسلطانپورہ حیدرآباد
صفحات: ۱۱۲ قیمت ۳ روپے ۵۰ پیسے

بیاض۔
بدیع الزماں خاور
پی کے پبلیکیشنز ۳۰۷ پرتاپ اسٹریٹ، گول مارکیٹ دریا گنج دہلی
قیمت: ۴ روپے، صفحات ۱۰۳

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلیشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا